36

ہماری جماعت کا فرض ہے کہ ہر قوم اور ہر مذہب کو مخاطب کرے

(فرمودہ 4 / اکتوبر 1946ء بمقام دہلی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ فرقان کی یہ آیت تلاوت فرمائی تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا 1 پھر فرمایا:۔

” یہ ایک مختصر سی آیت سورۃ فرقان کے ابتدا میں آتی ہے لیکن اِس میں ہمارے لئے ایک وسیع اور مکمل لائحہ عمل مقرر کیا گیا ہے۔ یوں تو کروڑوں کروڑ مسلمان ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر کسی چیز کو نام دے دینے سے اس میں وہ حقیقت پیدا نہیں ہو جاتی۔ ہماری زبان کا محاورہ تو نہیں مگر اردو میں استعمال ہوتا ہے کہ

بر عکس نہند نام زنگی کافور

کافور ایک سفید چیز ہے۔ اور عام طور پر حبشی غلاموں کا نام کافور ہوتا ہے حالانکہ حبشی سیاہی میں بے مثل ہے اور کافور سفیدی میں بے مثل ہے۔ اب یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کے بالکل بر عکس ہیں۔ اِس طرح ہمارے ملک کا ایک شاعر کہتا ہے کہ دنیا بھی عجیب ہے جس میں ہر ایک بات اُلٹی نظر آتی ہے۔

رنگی کو نارنگی کہیں بنے دودھ کو کھویا
چلتی ہوئی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

یعنی نارنگی جو کہ ایک خوشنمارنگ رکھتی ہے اس کو نارنگی کہتے ہیں یعنی اس کا کوئی رنگ نہیں حالانکہ اس کا رنگ ہوتا ہے۔ اور دودھ جب بن جاتا ہے تو اسے کھویا کہتے ہیں حالانکہ کھوئی ہوئی چیز وہ ہوتی ہے جو گم ہو جائے اور اس کا نام و نشان نہ ملے۔ اسی طرح جو چیز چلتی ہے اس کو گاڑی کہتے ہیں حالانکہ گاڑی اسی چیز کو کہنا چاہیے جو ہِل نہ سکے۔ کبیر کہتا ہے کہ دنیا کی یہ اُلٹی باتیں دیکھ کر میرے دل کو بہت دکھ ہوا کہ یہ دنیا کتنی غیر معقول ہے کہ ہر چیز کا اُلٹا نام رکھتی ہے۔ کیا اس کی آنکھیں بھینگی ہو گئی ہیں کہ اسے سیدھی چیز بھی الٹی نظر آتی ہے۔ غرض جہاں تک نام کا سوال ہے کوئی نام رکھ لیا جائے خواہ وہ نام ہندوؤں والا ہو یا عیسائیوں والا ہو یا مسلمانوں والا ہو۔ اُس نام کی وجہ سے کوئی حقیقت پیدا نہیں ہوتی۔ ہزاروں ہزار لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی یا بدھ کہلاتے ہیں۔ لیکن وہ مغربی تعلیم سے اتنے متاثر ہوتے ہیں کہ اُن کی زندگی، اُن کے افکار، اُن کے رہنے سہنے کی عادات، اُن کے لباس کو دیکھا جائے تو اُن میں کمال درجے کا اتحاد نظر آتا ہے۔ لیکن جب ان کے نام معلوم ہوں تو اس وقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ فلاں کا نام مسلمانوں والا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا ہو گا۔ چونکہ اس کا نام بُدھوں والا ہے اِس لئے معلوم ہوتا ہے یہ بُدھوں کے گھر میں پیدا ہوا ہو گا۔ یا چونکہ اُس کا نام ہندوؤں والا ہے اِس لئے یہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتا ہو گا۔ لیکن ظاہر میں اُن کے لباس کو، ان کی بات چیت کو، اُن کے طور طریقہ کو دیکھ کر انسان یہی سمجھتا ہے کہ وہ ایک متحد قوم ہے۔ حالانکہ کوئی ان میں سے مسلمان ہے، کوئی ہندو ہے، کوئی عیسائی ہے، کوئی یہودی ہے، کوئی پارسی ہے اور کوئی زرتشتی ہے۔ لیکن ناموں سے حقیقت پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ حقیقت میں وہ سب کے سب انگریز ہوتے ہیں یا یوں کہنا چاہئے کہ وہ انگریز کے نقّال ہوتے ہیں۔ اُن کی زندگیاں مغرب کی تقلید میں صَرف ہوتی ہیں۔ پس صرف نام کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ نام کے ساتھ اس میں حقیقی طور پر صفات بھی پائی جائیں۔ مٹی کا بنا ہوا کیلا بھی نام کے لحاظ سے کیلا ہی ہوتا ہے، مٹی کا بنا ہوا انگور بھی نام کے لحاظ سے انگور ہی ہوتا ہے، مٹی کا بنا ہوا سیب بھی نام کے لحاظ سے سیب ہی ہوتا ہے، مٹی کا بنا ہوا آم بھی نام کے لحاظ سے آم ہی ہوتا ہے لیکن کیا ان چیزوں کو صرف نام دے دینے کی وجہ سے اُن کے اندر حقیقت پیدا

ہو جاتی ہے؟ اور صرف نام دے دینے کی وجہ سے ان سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ اسی طرح کے وہ لوگ ہیں جو اپنے نام ایک مذہب کے مطابق رکھ لیتے ہیں۔ مگر حقیقتاً اس مذہب کی کوئی بات ان میں نہیں پائی جاتی اور انہیں اس مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اصل نام رکھنے والے وہ لوگ ہیں کہ جس مذہب کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں اُس کا نمونہ پورے طور پر ان میں موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ بڑی برکتوں والا ہے وہ خدا جس نے حق اور باطل میں تمیز کرنے والا کلام نازل کیا کہ کس طرح ایک ایک چیز میں حقیقت اور سنجیدگی پائی جاتی ہے۔ بے شک دنیا کے لوگ بھی سوچ بچار کے بعد کچھ اصول مقرر کرتے ہیں اور پھر انہیں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ان کے الفاظ مبہم اور غیر معیّن ہوتے ہیں۔ ان میں حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ محض وہ اخلاقی فارمولے ہوتے ہیں جو وہ لوگ اپنی عقل و فہم کے زور سے بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیتے ہیں لیکن چونکہ ان کے ساتھ نمونہ نہیں ہوتا اِس لئے دنیا اُن پر عمل کرنے سے گریز کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام برکتوں کا مالک خدا ہے۔ یہ صرف منہ کا دعویٰ نہیں بلکہ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ کہ اُس نے فرقان کو نازل کیا ہے اور ایسا کلام نازل کیا ہے جس کا ایک ایک لفظ حق و باطل میں فرق کر کے دکھلاتا ہے۔ وہ کلام ایسا نہیں کہ وہ چند اچھے اچھے الفاظ پر مشتمل ہو لیکن حقیقت سے خالی ہو یا شاعرانہ طور پر اسے بنا لیا گیا ہو بلکہ وہ کلام ایسا ہے کہ اس کا لفظ لفظ حق و باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اور بے شمار حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔ وہ کلام ایسا نہیں کہ اس کی عبارت چُست[2] ہو اور اس کے الفاظ غیر معیّن ہوں اور اپنے اندر کوئی معنے نہ رکھتے ہوں بلکہ وہ کلام فرقان ہے جو ہر ایک چیز کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔ صرف الفاظ کبھی بھی انسان کی تسلی نہیں کر سکتے۔

کچھ عرصہ ہوا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں صرف یہ کہہ کر کہ ہم ہندوستانی بھائی بھائی ہیں اور بھائیوں کو آپس میں صلح سے رہنا چاہئے آپس میں صلح کرا دی گئی اور اصل حقیقت کو پسِ پُشت ڈال دیا گیا۔ اُس وقت مَیں نے کہا تھا کہ اس صلح کے نتائج خطرناک ہوں گے۔ وقتی طور پر صلح صلح کی آواز بلند کرنے سے لوگ لڑائیاں چھوڑ دیتے ہیں لیکن جب تک بنیادی چیزوں کو اور اصل وجہ کو دور نہ کیا جائے اُس وقت تک جھگڑے دور نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک

آپس میں صحیح سمجھوتہ نہ کیا جائے اور ایک دوسرے کے حق کی تعیین نہ کی جائے اُس وقت تک صرف بھائی بھائی کہنے سے صلح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایک ماں کے جائے دو بھائیوں میں بھی لڑائی ہو جاتی ہے اور دونوں اپنی اپنی جائیدادیں تباہ کر دیتے ہیں بلکہ باپ بیٹوں میں بھی لڑائی ہو جاتی ہے۔ آجکل ہندوؤں میں ایک شخص بہت بڑا دواساز ہے۔ اس کی اور اس کے بیٹے کی آپس میں سخت لڑائی ہے۔ باپ یہ لکھتا ہے کہ یہ دوائی ہماری ایجاد ہے اس کا راز کسی کو معلوم نہیں۔ اگر کوئی ناخلف یہ کہتا ہے کہ مجھے اِس کا راز معلوم ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ کسی شخص کو اس کا راز معلوم نہیں۔ اور صاحبزادہ باپ کا نام نہیں لیتا۔ اور وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ شخص غلط کہتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس دوائی کا راز کسی کو معلوم نہیں۔ ہم کو اس کا علم حاصل ہے اور بیس سال سے ہم خود یہ دوائی تیار کرتے رہے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ جھوٹی دوائیں ملا ملا کر وہی دوائی تیار کرتے ہیں اور لوگوں کو اچھی چیز نہیں دیتے اِس لئے ہم نے الگ کارخانہ قائم کر لیا ہے۔ ہمارے کارخانہ کی دوائیں اصلی اجزاء سے تیار کی جاتی ہیں۔ اب دیکھو وہ باپ ہے اور وہ بیٹا ہے۔ جب باپ بیٹے میں حقوق کے مطالبے پر لڑائی ہو سکتی ہے تو بھائی بھائی میں کیوں لڑائی نہیں ہو سکتی۔ پس بھائی بھائی کے لفظ سے کچھ عرصہ کے لئے تو اختلاف مٹ سکتا ہے لیکن پائیدار طور پر صلح نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہر ایک کا حق تسلیم نہ کیا جائے۔ اُس موقع پر مَیں نے ایک تقریر کی تھی۔ اُس میں مَیں نے کہا تھا کہ اب کانگرس نے بے شک یہ کہہ کر کہ ہندوستانی آپس میں بھائی بھائی ہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کی صلح کرا دی ہے اور بظاہر کانگرس کے کہنے پر مسلمانوں نے ضد چھوڑ دی ہے لیکن بغیر سمجھوتے کے اور بغیر ایک دوسرے کے حقوق کو تسلیم کرنے کے یہ صلح قائم نہیں رہ سکے گی اور یہ بھائی بھائی ہونے کا دعویٰ زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔ کل کو جب حقوق کا سوال پیدا ہوگا تو دونوں طرف والے کہیں گے کہ کل صلح کر کے آج پھر لڑنے لگ گئے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کے متعلق کہیں گے کہ یہ بڑے بد دیانت اور جھوٹے ہیں، یہ صلح کرنے کے بعد پھر لڑائی کرتے ہیں، ہندوؤں نے مسلمانوں کا کوئی حق نہیں مانا تھا۔ اور مسلمان ہندوؤں کے متعلق کہیں گے کہ ہندو بہت جھوٹے اور بد دیانت ہیں، صلح کرنے کے بعد پھر لڑائی کا سامان پیدا کرتے ہیں، مسلمانوں نے ہندوؤں کا کوئی

حق صلح کے وقت اپنے اوپر تسلیم نہیں کیا تھا۔ بغیر سمجھوتہ کرنے کے ہر فریق یہ سمجھے گا کہ دوسرا فریق میرے حق سے دستبردار ہو گیا ہے۔ اور کچھ دن بعد جب یہ غلطی ظاہر ہو گئی تو غصہ اَور بھی بڑھ جائے گا۔ مَیں نے اُس وقت کہا تھا کہ صرف بھائی بھائی کہہ کر صلح کرانے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ اصل صلح وہ ہے جو ایک دوسرے سے سمجھوتہ کر کے کی جائے اور یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا وہ ہے جو سب سے زیادہ برکتوں والا ہے اور اِس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرقان کو نازل کیا ہے جو حق و باطل میں امتیاز کر کے دکھا دیتا ہے اور ہر انسان اس کے ذریعہ صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ ہر چیز کے متعلق ایک صحیح فیصلہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے کہ فلاں چیز حق اور صداقت ہے اُس کو قبول کرو۔ اور فلاں چیز جھوٹ سے ملوث ہے اُس سے اجتناب کرو۔ یہ ایسی کتاب ہے جو لفّاظی سے پاک ہے۔ اور یہ کتاب ہم نے اِس لئے اُتاری ہے تا کہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کر کے دکھا دے کہ جھوٹ کیا ہے اور سچ کیا ہے اور انسان کو بتا دے کہ کس موقع پر اسے کیسا کام کرنا چاہئے۔

عیسائیت کی تعلیم کتنی معروف و مشہور ہے اور اپنی ظاہری شکل میں کتنی خوبصورت نظر آتی ہے۔ مسیح نے کہا کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو دوسرا گال بھی پھیر دے۔ جب عیسائی پادری یا عیسائی مشنری چوک میں کھڑے ہو کر گرج گرج کر یہ تعلیم بیان کرتا ہے تو مسلمانوں میں سے کئی اچھے مسلمان بھی شرمندگی سے اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں اور وہاں سے بھاگ جاتے ہیں۔ اور جو کمزور مسلمان ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہ کیسی اچھی تعلیم ہے۔ لیکن جب ان لفظوں پر عمل کا سوال آتا ہے تو وہ تعلیم غلط ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہی مسیحؑ جس نے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تُو دوسرا گال پھیر دے۔ اور اگر تجھے ایک میل بیگار لے جائے تو تُو اُس کے ساتھ دو میل تک جا۔ اور اگر کوئی چادر چھینے تو تُو اُسے کُرتہ بھی ساتھ دے دے۔<u>3</u> اِسی مسیحؑ نے دوسرے موقع پر یہ بھی کہا تھا کہ مَیں صلح کرانے کے لئے نہیں آیا بلکہ مَیں تو تلوار چلانے آیا ہوں<u>4</u> بلکہ اپنے حواریوں سے کہا کہ اگر تمہارے پاس تلوار خریدنے کے لئے روپے نہ ہوں تو کپڑے بیچ کر تلوار خرید لو۔<u>5</u> اب دیکھنا یہ ہے کہ عیسائی دنیا نے اس تعلیم پر کہ "اگر کوئی تیرے ایک گال پر

تھپڑ مارے تو تُو دوسرا بھی پھیر دے'' کس حد تک عمل کرتی ہے۔ آجکل عیسائی ممالک کی حالت یہ ہے کہ اگر کوئی ملک ان کی طرف انگلی اٹھائے تو وہ سارے ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ بنگال پر قبضہ کرنے کی وجہ انگریز یہ بیان کرتے ہیں کہ بنگالی بادشاہ نے ایک سو بیس انگریز بلیک ہول میں بند کر کے مار دیئے تھے۔ اول تو یہ قصہ سرے سے ہی غلط ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو انگریزوں کو چاہیئے تھا کہ وہ انجیل کی تعلیم پر عمل کرتے اور ایک سَو بیس کی بجائے دو سو چالیس آدمی پیش کر دیتے کہ ان سے بھی پہلوں جیسا سلوک کیا جائے۔ اور مسیح کا یہی حکم باقی عیسائی دنیا کے لئے بھی ہے۔ مگر آج تک اِس پر کبھی عمل ہوتے نہیں دیکھا۔ فرانس کو چاہیئے تھا کہ جب جرمنی اُس کے ملک میں دخل اندازی کر رہا تھا ملک کی حکومت اُس کے سپرد کر دیتا اور خود ایک طرف ہو جاتا۔ یا امریکہ جاپان کی بات مان لیتا اور اپنے مقبوضات اُس کے سپرد کر دیتا۔ لیکن عیسائیوں میں سے کوئی حکومت بھی ایسا کرنے کو تیار نہیں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ حقیقت میں انجیل کی تعلیم پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ نرمی کی تعلیم کو سن کر لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں اور محبت کی تعلیموں کو سن کر لوگ اُن کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب میدانِ عمل میں اُترتے ہیں تو ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان پر عمل کرنا محال ہے۔

ایک عرصہ سے گاندھی جی یہ اعلان کرتے چلے آتے ہیں کہ آپس میں لڑنا نہیں چاہیئے اور اہنسا**6** کے قانون کے ماتحت فوج کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اب گورنمنٹ بدلی ہے تو چاہیئے تھا کہ ساری فوجوں کو جواب مل جاتا کہ جاؤ گھروں میں جا کر بیٹھو لیکن بجائے پہلی فوجوں کو فارغ کرنے کے مَیں دیکھتا ہوں کہ I.N.A. **7** کی دوبارہ بھرتی پر زور دیا جا رہا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ فوجوں کو گھر بھیج دیا جاتا فوجوں کی تعداد کو بڑھانے کی طرف گورنمنٹ کی توجہ نظر آتی ہے۔ اِن باتوں کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی جی کی وہ باتیں صرف کہنے کے لئے تھیں عمل کرنے کے لئے نہ تھیں۔ ورنہ جہاں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مرن برت**8** رکھنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اِتنے بڑے اصل کے ٹوٹنے پر کیوں مرن برت نہ رکھتے۔ پس ایسی تمام تعلیمیں کہنے کے لئے ہیں عمل کرنے کے لئے نہیں۔

لیکن قرآن مجید دعویٰ کرتا ہے کہ خدا وہ ہے جس نے فرقان نازل کیا ہے جو کہ

جھوٹ اور سچ میں فرق کر کے دکھاتا ہے۔ اور سچ اور جھوٹ میں ایسا امتیاز کر دیتا ہے کہ انسان پر اس کے مناسبِ حال طریقِ عمل ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ۔ مصلح ہونے کا دعویٰ تو دنیا میں بہت لوگ کرتے ہیں مگر جو باتیں وہ کہتے ہیں اُن پر عمل نہیں کرتے۔ کہلاتے تو وہ مصلح ہیں لیکن اُن کا عمل اپنی تعلیم کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ یہ لوگ دوسرے لوگوں کے لئے گمراہی اور ٹھوکر کا موجب بنتے ہیں۔ لوگ جب ان کی تعلیم کو دیکھتے ہیں تو اسے قابلِ تعریف کہتے ہیں لیکن جب ان کے اعمال کو دیکھتے ہیں تو ان سے نفرت آتی ہے۔ لوگ ان کی منافقت کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھی اِسی قسم کی منافقت اختیار کرنی چاہئے۔ دنیا کے سامنے اچھی باتیں پیش کرنی چاہئیں۔ عمل بے شک اس کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ کہ بہت برکتوں والا وہ خدا ہے جس نے ایسا کلام نازل کیا جو حق و باطل میں امتیاز کرنے والا ہے۔ اور پھر وہ اس لئے بھی برکتوں والا ہے کہ اس نے اپنا کلام ایک عَبْد پر اُتارا ہے یعنی اُس ہستی پر جو اپنے آپ کو کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیتی ہے اور رات دن اُس کے احکام کے پورا کرنے میں لگی رہتی ہے۔ ایک منافق آدمی بھی اچھی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے کہہ سکتا ہے لیکن وہ اُس تعلیم پر عمل نہیں کرتا۔

ایک نبی کے تعلیم پیش کرنے اور دوسرے آدمیوں کے تعلیم پیش کرنے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ نبی جو تعلیم لاتا ہے اُس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ نبی کے آنے سے پہلے بہت حد تک صداقتیں تو دنیا میں موجود ہوتی ہیں لیکن دنیا کے لوگ اپنی کمیٔ ایمان کی وجہ سے ان صداقتوں کو پس پُشت ڈال دیتے ہیں۔ نبی آکر کہتا ہے کہ سچ بولو اور دنیا کے لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ سچ بولنا چاہئے۔ کبھی کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا کہ دنیا کے لوگوں نے یہ کہا ہو کہ جھوٹ بولنا چاہئے یا جھوٹ بہت اچھی چیز ہے۔ نبی بھی آکر یہی کہتا ہے کہ جھوٹ نہ بولو اور دنیا بھی یہی کہتی ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ نبی بھی یہی کہتا ہے کہ چوری نہ کرو ظلم نہ کرو۔ اِسی طرح دنیا کے لوگوں پر بھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا جب انہوں نے یہ کہا ہو کہ چوری بہت اچھی چیز ہے اور ظلم کرنا پسندیدہ بات ہے۔ ہٹلر اور مسولینی جن کو دنیا بہت بڑے ظالم سمجھتی ہے وہ بھی تو یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم ظلم کرتے ہیں بلکہ اُن کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ ہم دنیا

میں انصاف کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ بالشوزم والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم ہر انسان سے انصاف کرانے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور مغربی ڈیما کریسی بھی یہی کہتی ہے کہ ہم خدمتِ خلق کے لئے مختلف علاقوں پر قابض ہیں۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کا بوجھ ہم نے اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا ہے۔ پس جب دنیا کے لوگ ہمیشہ ان سچائیوں کو مانتے ہیں تو پھر نبی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟ نبی کے آنے کی دو غرضیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ موٹی سچائیوں اور باریک سچائیوں میں فرق کر کے دکھاتے ہیں۔ دوسرے اپنے نمونہ سے ان کو قابلِ عمل ثابت کرتے ہیں۔ لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ ظلم نہ کرو لیکن جب ظلم کی تعریف میں پڑتے ہیں تو ہر فعل کو اپنے لئے جائز قرار دے لیتے ہیں۔ لوگ منہ سے یہ تو کہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولو لیکن باوجود اس کے جھوٹ بولتے ہیں۔ لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ کسی کا مال غصب نہ کرو لیکن باوجود کہنے کے دوسروں کا مال چھین کر کھاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان گناہوں کی تعریفیں بہت محدود ہو جاتی ہیں۔ نبی آکر ان اعمال کی تعریفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صرف اس تعلیم کو دہرانے کے لئے نہیں آتے بلکہ اس پر عمل کرانے کے لئے آتے ہیں۔ باوجود اِس کے کہ لوگ جانتے ہیں کہ سچ بولنا چاہئے پھر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ اور اگر اُن کو توجہ دلائی جائے کہ آپ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟ تو کہتے ہیں سچ بولنے سے اِس دنیا میں کام نہیں چلتا۔ اور باوجود اِس کے کہ لوگ جانتے ہیں کہ دھوکا بازی ایک بُری چیز ہے پھر بھی دھوکا بازی کرتے ہیں۔ اور اگر ان سے کہا جائے کہ تم دھوکا بازی کیوں کرتے ہو؟ تو وہ کہتے ہیں اِس کے بغیر اس دنیا میں گزارہ نہیں۔ دنیا کے لوگ مال لُوٹتے ہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ تم لوگوں کے مال کیوں لُوٹتے ہو؟ لوگوں پر کیوں ظلم کرتے ہو؟ تو وہ جواب دیتے ہیں اس کے بغیر دنیا میں کام چل ہی نہیں سکتا۔ دنیا میں ہر شخص بھیڑیا ہے۔ بھیڑیا بغیر بکری پر ظلم کئے رہ نہیں سکتا۔ اگر وہ بکری کا گوشت نہ کھائے تو بہت جلد مر جائے۔ اِن باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نئی نسلیں یہ خیال کرنے لگ جاتی ہیں کہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ان پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے لوگ باوجود یہ سمجھنے کے کہ سچ اچھی چیز ہے ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ سچ بولا نہیں جاسکتا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رحم اچھی چیز ہے لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رحم پر عمل کیا نہیں جاسکتا۔ لیکن نبی آکر دنیا کے لئے

نمونہ بنتا ہے اور اُنہیں اِن سچائیوں پر اور اِن صداقتوں پر عمل کر کے دکھا دیتا ہے۔ جو لوگ اِس لئے جھوٹ بول رہے تھے کہ اُن کے خیال میں سچ بولا ہی نہیں جاسکتا اور جو لوگ اس لئے ظلم کر رہے تھے کہ رحم کیا ہی نہیں جاسکتا اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے جیسا ایک انسان ہے۔ یہ سچ بولتا ہے، کسی پر ظلم نہیں کرتا، کسی کا حق نہیں مارتا اور ہر قسم کی برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ تو ان کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں اور ان کی ہمتیں بندھ جاتی ہیں اور وہ عزمِ صمیم سے نیکیوں پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس نبی کی بعثت کی یہ دو غرضیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اُن کے ذریعے تعلیم کی تکمیل ہوتی ہے۔ بے شک لوگ بھی نبی کی بعثت سے پہلے یہی کہتے ہیں کہ سچ بولنا چاہئے مگر سچ کی تعریف بہت ناقص کرتے ہیں۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہئے لیکن ظلم کی تعریف غلط کرتے ہیں جس سے ظلم بند نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ ان کا عمل ان کی تعریف سے بھی ناقص ہوتا ہے۔ جس چیز کو وہ سچ کہتے ہیں اُس پر بھی عمل نہیں کرتے۔ اور جس امر کو وہ ظلم کہتے ہیں اُس سے بھی نہیں بچتے۔ غرض لوگ جس تعلیم کو مانتے ہیں اسے بھی ناقابلِ عمل قرار دیتے ہیں۔ جب نبی آتا ہے تو وہ اس پر عمل کر کے دکھا دیتا ہے اور اس طرح نمونہ پیش کر کے لوگوں کے حوصلے بلند کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ کہ بہت برکت والا وہ خدا ہے جس نے ایسی تعلیم اُتاری اور جس نے ایسا کلام بھیجا جو کہ تمام قسم کی باریکیاں بیان کرتا ہے اور حق و باطل میں امتیاز کر کے دکھا دیتا ہے۔ اور پھر برکت والا ہے وہ خدا جس نے وہ برکت کسی ایسے انسان کے سپرد نہیں کی جو بد عمل اور بد کردار ہو اور بجائے دین کی طرف لانے کے دین سے بیگانہ کرنے والا ہو۔ بلکہ اس نے وہ کتاب ایسے شخص کو دی جس نے اپنی ذات اور اپنی دنیوی زندگی پر موت وارد کی اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو اپنے نفس کے اندر داخل کر لیا اور اپنے پاک نمونہ سے دنیا کو نیکی کی طرف کھینچ لایا۔

پھر فرماتا ہے۔ برکت والا وہ خدا ہے جو یہ فرماتا ہے لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ لِيَكُوْنَ میں ضمیر استعمال کی گئی ہے اور فاعل ظاہر نہیں کیا۔ اِس لحاظ سے ضمیر سے پہلے جتنے وجود گزرے ہیں اُن سب کی طرف پھر سکتی ہے۔ لِيَكُوْنَ سے پہلے اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر ہے

جیسا کہ فرمایا تَبٰرَکَ الَّذِیْ۔ اور قرآن کریم کا بھی ذکر ہے جیسا کہ فرمایا نَزَّلَ الْفُرْقَانَ۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر ہے جیسا کہ فرمایا عَلٰی عَبْدِہٖ ۔ ضمیر سے پہلے اِن تین وجودوں کا ذکر ہے اور تینوں کی طرف یَکُوْنَ کی ضمیر پھر سکتی ہے۔ اور معنے یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کا نذیر بن جائے۔ قرآن کریم ساری دنیا کا نذیر بن جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے نذیر بن جائیں۔ اور چونکہ ان میں سے کوئی معنے بھی اِس جگہ مُتَعَذَّر **9** نہیں اِس لئے یہ تینوں معنے ہی پائے جانے ضروری ہیں۔ قرآن کریم میں یہ خوبی ہے کہ وہ ضمائر سے کام لیتا ہے اور اِس طرح سے ایک وسیع مضمون کو چند الفاظ میں بیان کر دیتا ہے اور معانی کے وسیع دریا کو کوزے میں بند کر دیتا ہے۔ اگر یہاں لِیَکُوْنَ اللّٰہُ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ہوتا تو دو تہائی مضمون ضائع ہو جاتا اور ایک تہائی مضمون رہ جاتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ فرماتا لِیَکُوْنَ الْفُرْقَانُ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا تو بھی دو تہائی مضمون ضائع ہو جاتا اور ایک تہائی مضمون رہ جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ لِیَکُوْنَ عَبْدُہٗ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا فرماتا تو بھی دو تہائی مضمون ضائع ہو جاتا اور ایک تہائی مضمون رہ جاتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا لِیَکُوْنَ اللّٰہُ وَ الْفُرْقَانُ وَ رَسُوْلُہٗ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا تو اِس طرح عبارت میں طوالت پیدا ہو جاتی ۔ اور اگر قرآن کریم ضمائر کو اِس رنگ میں بیان نہ کرتا تو موجودہ قرآن کریم سے دس گُنا بڑا قرآن ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ضمائر اور مصادر کو لا کر مضمون کی وسعت کو بھی برقرار رکھا ہے اور کلام میں اختصار بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اِس جگہ مضمون تبھی مکمل ہو سکتا تھا جبکہ ان تینوں کا ذکر کیا جاتا۔ چنانچہ ضمیر کے ذریعہ سے تینوں چیزوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

پہلا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کا خدا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی مشیت ساری دنیا کے لئے ہو اور وہ ساری دنیا کے لئے ہدایت کا سامان پیدا کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مختلف علاقوں کی طرف علیحدہ علیحدہ انبیاء آتے تھے اور وہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے تھے۔ اُن کی تعلیم اُن کے علاقہ سے مخصوص ہوتی تھی اور چونکہ اس تعلیم میں اس خاص قوم کو مخاطب کیا جاتا تھا اِس لئے جہاں وہ قومیں اس تعلیم کی رہنمائی میں خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتی تھیں وہاں ان میں آہستہ آہستہ یہ بھی خیال پیدا ہو جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ صرف ہمارا ہی خدا ہے

دوسری قوموں کا نہیں۔ تورات میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہی لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کا خدا یوں کہتا ہے۔ اب بھلا تورات کو پڑھ کر ہندوستان کے لوگوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ وہ تو صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے ہمارا خدا نہیں۔ اس طرح دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے محبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ تنافر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم کو پڑھ کر دیکھ لو۔ اِس میں ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ مَیں ساری دنیا کا خدا ہوں۔ مَیں زمین و آسمان کا خدا ہوں، مَیں جِنّ و اِنس کا خدا ہوں اور مَیں سب کا خیر خواہ ہوں۔ خواہ کوئی ہندو ہو یا عیسائی ہو یا مسلمان ہو یا یہودی ہو یا پارسی ہو۔ اِس تعلیم کو پڑھ کر ایک یہودی کا دل یہ محسوس کرنے لگے گا کہ اِس کلام کا اُتارنے والا خدا اُسی طرح میرا خدا ہے جس طرح وہ مسلمانوں کا خدا ہے۔ اگر ایک عیسائی قرآن کریم کو پڑھے گا تو اُس کا دل بھی یہی محسوس کرے گا کہ قرآن کریم کے بھیجنے والا خدا اُسی طرح میرا خدا ہے جس طرح وہ مسلمانوں کا خدا ہے۔ اگر ایک ہندو قرآن کریم کو پڑھے گا تو اُس کا دل یہ محسوس کرے گا کہ اِس کتاب کو بھیجنے والا خدا اُسی طرح میرا خدا ہے جس طرح مسلمانوں کا خدا ہے۔ لیکن یہ بات کسی اَور کتاب میں نظر نہیں آتی۔ تورات اور ویدوں کو پڑھ کر دیکھ لو۔ صاف نظر آتا ہے کہ ان کا بھیجنے والا خدا اُنہی خاص قوموں سے تعلق رکھتا ہے جن کے لئے وہ کتابیں اتاری گئیں۔ دوسری قوموں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان تعلیموں کو پڑھنے سے انسان کے دل میں محبت کی بجائے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے اب ضروری تھا کہ دنیا کے سامنے اصلی شکل میں اللہ تعالیٰ کا وجود پیش کیا جاتا۔ کیونکہ وہ وقت آچکا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کوئی ایسی تعلیم نازل فرمائے جو تمام دنیا کے لئے ہو اور اس تعلیم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ مَیں ساری دنیا کا خدا ہوں۔ اِسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ مَیں وہ خدا ہوں جو ہندوؤں، عیسائیوں، آریوں، دہریوں، ایرانیوں اور یونانیوں سب کا خدا ہوں۔ مَیں ہر ملک میں رہنے والے کا خدا ہوں اور ہر زبان بولنے والے کا خدا ہوں۔ مَیں گورے کا بھی خدا ہوں اور کالے کا بھی خدا ہوں۔ دنیا میں جس قدر اقوام ہیں مَیں سب کا خدا ہوں اور سارے ہی میرے بندے ہیں اور مَیں نے سب کو بیدار اور ہوشیار کرنے کے لئے یہ کلام اُتارا ہے۔ یہ تعلیم جو قرآن کریم نے

پیش کی ہے کیسی اچھی اور فطرت کے مطابق تعلیم ہے۔ اس تعلیم کو پڑھنے سے تو انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لیکن ان پہلی تعلیموں کو پڑھ کر دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جب تک دنیا اکٹھی نہیں ہوئی تھی اور ہر ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں سے جدا تھے۔ اگر اُس وقت ایک ایسی تعلیم بھیجی جاتی جو تمام دنیا کے لئے ہوتی تو بہت سے ملک اس تعلیم سے محروم رہ جاتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف وقتوں میں مختلف تعلیمیں نازل کیں۔ وہ تعلیمیں اپنے اپنے وقت میں کامل تھیں اوران کے ذریعے مختلف قومیں ہدایت پاتی رہیں۔ لیکن اب جبکہ میل جول کے ذرائع وسیع ہو گئے اور رُسُل ورَسائل کے رستے کھل گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی تعلیم نازل فرمائی جو کہ تمام دنیا کے لئے ہے اور تمام دنیا کی ضرورتوں کا علاج اس میں موجود ہے۔ تمام مؤرخ اِس بات پر متفق ہیں کہ پری ہسٹارک (Pre Historic) زمانہ سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا زمانہ ہے اور ہسٹارک (Historic) زمانہ سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن رُسُل ورَسائل کے ذرائع کو عام کر کے بتادیا کہ اب لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا کا زمانہ آ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں بہت برکتوں والا خدا ہوں۔ مَیں نے ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام دنیا کو ہدایت دینے والی ہے اور حق و باطل میں فرق کر کے دکھا دیتی ہے۔ پہلی کتابیں بے شک اپنے اپنے وقت میں کامل تھیں لیکن وہ اپنے اندر عالمگیر تعلیم نہ رکھتی تھیں۔ اور اب دنیا ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے کہ اس کے لئے ایک ہی نذیر کی ضرورت ہے۔ پس برکت والے خدا نے ایک بادلیل کتاب اپنے فرمانبردار اور اعلیٰ نمونہ پیش کرنے والے بندہ پر اس لئے نازل کی ہے تاکہ وہ گورے، کالے، مغربی اور مشرقی سب کو ہوشیار کر دے۔ اِس آیت سے پہلا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ اسلام کی اصل غرض یہ ہے کہ دنیا کے سارے لوگوں کو خواہ ہندو ہوں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں یا پارسی ہوں یا مجوسی ہوں اُن سب کو یہ بتایا جائے کہ اِس دنیا کا پیدا کرنے والا خدا ایک ہے جو تمام دنیا کا مالک ہے۔ تمہیں اُسی کی ہی عبادت کرنی چاہئے۔

ہماری جماعت اِس بات کی مدعی ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں شامل ہو گئی ہے۔ لیکن کیا کبھی تم نے قرآن کریم کی

اس آیت پر بھی غور کیا ہے۔ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا۔ تم خود ہی بتاؤ کہ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ مسلمانوں کے لئے وقف ہے؟ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ یہودیوں کے لئے وقف ہے؟ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ عیسائیوں کے لئے وقف ہے؟ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ زرتشتیوں کے لئے وقف ہے؟ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ بدھوں کے لئے وقف ہے؟ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ پارسیوں کے لئے وقف ہے؟ ہماری تبلیغ کا کتنا حصہ ہندوؤں کے لئے وقف ہے؟ اگر تم کہو کہ ہم مسلمانوں کو تبلیغ کرتے ہیں تو مسلمان اندازاً پچاس کروڑ کے قریب ہیں اور اس وقت دنیا کی کُل آبادی دو ارب کے قریب ہے۔ اِس لحاظ سے مسلمان کُل آبادی کا چوتھا حصہ ہوئے۔ اِس دنیا کا 3/4 حصہ تمہاری تبلیغ سے خالی پڑا رہا۔ اور اِس 1/4 حصے میں بھی تمہاری تبلیغ بہت کمزور ہے اور اِس کا کوئی نمایاں اثر معلوم نہیں ہوتا۔ اور اگر مسلمانوں میں تمہاری تبلیغ ہزار گُنا سمجھی جائے تو اِس کے مقابل پر ہندوؤں میں ایک گُنا تبلیغ جاری ہے اور عیسائیوں میں دو تین گنا سمجھ لو۔ اور پارسیوں، زرتشتیوں اور بدھوں میں تو صفر کے برابر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قرآن کریم کو نازل کرنے سے ہماری غرض یہ ہے تا کہ خدا تعالیٰ تمام دنیا کو ہوشیار کر دے۔ اگر تم صرف مسلمانوں کو تبلیغی لحاظ سے اپنا مقصود قرار دیتے ہو تو تم غلطی کرتے ہو اور لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا کے خلاف چلتے ہو۔ اگر تم صرف عیسائیوں کو تبلیغ کرتے ہو تو تم لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا کے خلاف کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا صاف بتاتا ہے کہ ایک ہی وقت میں یہ سارے کام ہونے چاہئیں۔ اور ایک ہی وقت میں ہمارا حملہ سب مذاہب پر ہونا چاہئے۔ ایک ہی وقت میں ہماری تبلیغ مسلمانوں کو پہنچے۔ ایک ہی وقت میں ہماری تبلیغ ہندوؤں میں بھی ہونی چاہئے۔ ایک ہی وقت میں ہماری تبلیغ پارسیوں میں بھی ہونی چاہئے۔ ایک ہی وقت میں ہماری تبلیغ بدھوں میں بھی ہونی چاہئے۔ ایک ہی وقت میں ہماری تبلیغ اونچی ذاتوں میں بھی ہونی چاہئے اور ایک ہی وقت میں ہماری تبلیغ نیچی ذاتوں میں بھی ہونی چاہئے۔ قرآن کریم کے ابتدائی نزول میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ کہ وہ خدا بہت برکتوں والا خدا ہے۔ اور وہ برکتوں والا خدا تبھی ثابت ہو سکتا ہے جبکہ تم اپنے عمل سے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ ثابت کر دو کہ وہ برکتوں والا ہے اور اس کی

خوبیوں اور اُس کی صفات کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ دنیا کے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ خود لڑنے کے لئے نہیں اُترا کرتا بلکہ اس کے بندے ہی کام کیا کرتے ہیں۔ پس لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا تبھی ثابت ہو سکتا ہے جبکہ تمام دنیا کو اس کا پیغام پہنچ جائے اور دنیا کے لوگ جو اللہ تعالیٰ سے بہت دور جا چکے ہیں پھر اس کے اطاعت گزار بندے بن جائیں۔ لیکن اگر تم کوتاہی کرتے ہو، سُستی دکھاتے ہو اور ہر ایک قوم میں سے کھینچ کھینچ کر لوگوں کو اسلام میں داخل نہیں کرتے تو تم اپنے اوقات کو ضائع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی بات کو جھوٹا ثابت کرتے ہو۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صحابہؓ نے جب یہ کہا کہ قرآن کریم تمام دنیا کے لئے ہے اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تمام قوموں کی طرف آئے ہیں اور آپ کی بعثت تمام دنیا کے لئے ہے تو صحابہؓ نے جو کچھ کہا اُسے سچ کر دکھایا۔ کیا تم نے بھی جس بات کا تمہیں دعویٰ ہے اسے سچا کر دکھایا ہے؟ مَیں یہ مانتا ہوں کہ مسلمانوں میں اور عیسائیوں میں تبلیغ ہو رہی ہے لیکن ہندو، بدھ اور زرتشتی لوگوں میں تبلیغ بالکل نہیں۔ اور ہماری تبلیغ اُن کو نہیں پہنچ رہی اور بغیر تبلیغ کے اسلام پھیل نہیں سکتا۔ ہمارا خدا ہمارے عملوں سے دیکھا جائے گا۔ لیکن جو چیز ہمارے عملوں سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ہم اسے صرف مسلمانوں کا اور عیسائیوں کا خدا سمجھتے ہیں۔ اِسی لئے تو ہماری تبلیغ مسلمانوں اور عیسائیوں تک محدود ہے۔ اگر کوئی ایک فرد بھی ایسا ہے جسے تم اللہ تعالیٰ کا پیغام نہیں پہنچاتے اور خدا تعالیٰ کے خطاب سے اسے باہر سمجھتے ہو تو تم اللہ تعالیٰ کو لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا نہیں سمجھتے۔ بے شک غفلت اور کوتاہی تمہاری ہے لیکن الزام اللہ تعالیٰ پر آئے گا۔ اگر کسی امیر کے گھر میں پچاس ساٹھ نوکر ہوں تو ایسی حالت میں مالک مکان خود کام نہیں کیا کرتا بلکہ نوکروں سے کام کروایا کرتا ہے۔ فرض کرو اگر اُس امیر کے گھر میں کوئی مہمان آجائے اور نوکر اُس کی صحیح طور پر مہمان نوازی نہ کریں تو مہمان یہ نہیں کہے گا کہ نوکروں نے مجھ سے اچھا سلوک نہیں کیا بلکہ وہ یہی کہے گا کہ مالک بڑا بد اخلاق ہے اور بخیل آدمی ہے۔ کوئی غیر تسلی یافتہ حالت میں جانے والا مہمان یہ نہیں کہے گا کہ نوکروں کی خرابی کی وجہ سے مجھے تکلیف ہوئی بلکہ وہ یہی کہے گا کہ مالک بڑا پاجی 10 آدمی ہے۔ اس نے کوئی توجہ نہیں کی۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے کہا لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا کہ مَیں تمام دنیا کو ہوشیار اور خبردار کرنا چاہتا ہوں تو یہ کام اللہ تعالیٰ خود نہیں

کرے گا بلکہ ہمارے ذریعہ سے ہو گا۔ اگر ہر قوم کو اور ہر جماعت کو، ہر زبان بولنے والے کو، ہر ملک کے رہنے والے کو تبلیغ نہیں پہنچے گی تو ہماری اس سُستی اور بے ایمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر الزام عائد ہو گا۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا کی ذمہ داری ہماری جماعت پر پڑتی ہے۔ ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ ہر قوم اور ہر مذہب کو مخاطب کرے اور ہر ایک تک اِس نور کو پہنچانے کی کوشش کرے۔ ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ مہمان کی خاطر تواضع کرنا مہمان نواز کا کام ہے۔ اگر باوجود تمام اشیاء کے موجود ہونے کے مہمان خود نہیں کھاتا تو مہمان نواز کا قصور نہیں۔ اِسی طرح ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر ایک آدمی تک اس آواز کو پہنچا دیں۔ ماننا یا نہ ماننا اُن کا کام ہے۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ کیا ہم خدا کے بندے نہیں ہمیں کیوں تبلیغ نہیں کی جاتی اور ہم تک کیوں خدائی آواز نہیں پہنچائی جاتی؟ بلکہ بعض جگہ تو لوگ اصرار کرتے ہیں کہ ہمیں مبلغ بھیجے جائیں۔ لیکن ہم مبلغین کی کمی کی وجہ سے ان کی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتے۔ مغربی افریقہ میں ہی ایک نواب متواتر سات سال تک ہمارے مبلغین کو لکھتا رہا ہے کہ میرے علاقہ میں تبلیغ کی جائے اور یہاں مشن قائم کیا جائے۔ لیکن ہمارا مبلغ اسے یہ جواب دیتا رہا کہ ہمارے پاس ابھی آدمی نہیں۔ اسی حالت میں وہ نواب فوت ہو گیا اور ہم اس کے پاس آدمی نہ بھجوا سکے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اسے پوچھے گا کہ تم احمدی کیوں نہ ہوئے؟ تو وہ یہی جواب دے گا کہ اے خدا! مَیں نے تو تیرے بندوں سے کہا تھا کہ وہ مجھے تیرا کلام سنائیں لیکن انہوں نے مجھے اس سے محروم رکھا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جائے گا تو چونکہ اسے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں پہنچا اور اسے اس کی خواہش تھی اس لئے وہ تو یقیناً جنت میں جائے گا لیکن جن لوگوں نے اسے یہ پیغام پہنچانے میں سُستی اور غفلت کی اُن کے متعلق مَیں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کس حالت میں کھڑے ہوں گے۔ پس جماعت کو سوچنا چاہئے کہ ہمارے ذمہ کتنا بڑا کام ہے۔ کیا ہم دنیا میں اپنے فرض کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ہادی بننے کی بجائے مجرم تو نہیں بن رہے؟ اور بجائے اس کے کہ ہم لوگوں کو ہدایت کے دستر خوان پر جمع کریں، اس دستر خوان سے لوگوں کو دور کرنے والے تو نہیں بن رہے؟

دوسری ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا کے لئے نذیر ہے۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ نذیر بننا ہمارا کام نہیں بلکہ قرآن کریم ہی نذیر بن سکتا ہے۔ اور ہم دنیا کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ قرآن کریم ہی ہدایت دے سکتا ہے۔ اگر ہمارے ذریعے یا دوسرے لوگوں کے ذریعے دنیا کو ہدایت ہونی تھی تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا لِتَكُونُوْا لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا تا کہ تم تمام دنیا کے لئے نذیر بن جاؤ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ تو یہ کہتا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو اس لئے نازل کیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے لئے نذیر ہو۔ پس اگر کوئی چیز دنیا کو بیدار کر سکتی ہے اور اگر کوئی کلام دنیا کو ڈرا سکتا ہے تو وہ قرآن کریم ہے۔ تم دنیا کو بیدار اور ہوشیار نہیں کر سکتے بلکہ یہ کام قرآن کریم ہی کر سکتا ہے۔ جب قرآن کریم ہی دنیا کو بیدار کر سکتا ہے اور وہی دنیا کو ہدایت دے سکتا ہے تو کیا تم میں سے ہر ایک نے قرآن کریم پڑھا ہے؟ اور اسے سمجھنے کی کوشش کی ہے؟ اگر تمہارے پاس یہ نہیں تو تم نذیر نہیں ہو سکتے۔ اور جب قرآن کریم تمہارے لئے نذیر نہیں تو دوسروں کے لئے کس طرح نذیر بن سکتا ہے۔ اگر تم نے قرآن کریم پڑھا نہیں اور اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی تو تم اسلام کے سپاہی ہرگز نہیں ہو اور تمہاری زندگی بیکار ہے۔ اگر تم خود قرآن کریم سے نہیں ڈرتے اور اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو تم دوسروں کو اِس سے کیا ڈرا سکتے ہو۔

مثل مشہور ہے کہ افغانستان کے کسی مسلمان رئیس کے لڑکے کو ایک ہندو ماسٹر پڑھایا کرتا تھا۔ رئیس کے لڑکے نے لوگوں سے سُنا کہ اگر کسی ہندو کو کلمہ پڑھایا جائے اور اُسے مسلمان بنایا جائے تو انسان جنت میں جاتا ہے۔ یہ سن کر اُس کے دل میں بھی جنت کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے کہا اَور کوئی شخص ملے نہ ملے مجھے اپنے ماسٹر کو ہی کلمہ پڑھانا چاہئے۔ جب ماسٹر پڑھانے کے لئے آیا تو وہ لڑکا اُس سے کہنے لگا کہ لالہ جی! کلمہ پڑھئے۔ اُس نے کہا مَیں تو ہندو ہوں۔ لڑکے نے کہا آپ ہندو ہیں اِسی لئے تو مَیں کلمہ پڑھوانا چاہتا ہوں تا کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔ لالہ جی نے کہا کہ میرے مسلمان ہونے سے تمہیں کیا ملے گا؟ لڑکے نے کہا کہ مَیں نے سنا ہے کہ جو شخص کسی ہندو کو کلمہ پڑھواتا ہے وہ جنت میں جاتا ہے۔ لالہ جی نے کہا میرا مذہب اَور ہے اور تمہارا مذہب اَور ہے۔ مَیں کلمہ کیونکر پڑھ لوں۔ اُس لڑکے نے جوش میں

آ کر تلوار نکال لی اور کہا کہ خُو مار ڈالے گا نہیں تو کلمہ پڑھو۔ لالہ جی وہاں سے بھاگے اور لڑکا ان کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ آخر ایک جگہ پر لڑکے نے لالہ جی کو پکڑ لیا اور کہا پڑھو کلمہ۔ چونکہ لالہ جی بہت ڈر چکے تھے اس لئے کہنے لگے اچھا پڑھاؤ۔ لڑکے نے پھر کہا پڑھو کلمہ۔ لالہ جی نے کہا۔ کلمہ مجھے تو نہیں آتا تم پڑھاؤ تو مَیں پڑھ لوں گا۔ اِس پر لڑکا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہنے لگا۔ خُو تمہارا قسمت اچھا تھا کلمہ مجھے بھی نہیں آتا۔

ابھی تم یہ مثال سن کر کس طرح بے تحاشا ہنس پڑے ہو حالانکہ خطبہ میں ہنسنا منع ہے لیکن یہ چیز تمہاری نظروں سے اوجھل ہو گئی کہ مَیں تمہاری ہی مثال بیان کر رہا ہوں۔ جیسے کہتے ہیں کہ کسی حبشی نے پہلے دن شیشے میں اپنا منہ دیکھا تو چونکہ شکل بہت مکروہ تھی اِس لئے وہ حیران ہوا کہ یہ میری ہی شکل ہے یا کسی اَور کی۔ پس جس شکل کے متعلق مَیں نے ذکر کیا ہے وہ تمہاری ہی شکل ہے کسی اَور کی نہیں۔ تم دنیوی کاموں کے لئے کتنی کتنی محنتیں کرتے ہو اور کتنی تکلیفیں برداشت کرتے ہو۔ کبھی تم نے قرآن کریم کے پڑھنے کے لئے بھی اتنی محنتیں اور کوششیں کیں؟ اگر نہیں کیں اور یقیناً نہیں کیں تو تم دنیا کو کس طرح فتح کرو گے اور کس طرح دنیا کو ہدایت کی طرف لے آؤ گے؟

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تم کو اُس وقت تک فتح نہیں ہو سکتی جب تک تم قرآن کریم کو اپنے لئے نذیر نہیں بناتے، جب تک تم قرآن کریم کو اپنے لئے نذیر نہیں بناتے اُس وقت تک تم اسے دنیا کے لئے نذیر نہیں بنا سکتے۔ جب قرآن کریم تمہارے سینوں میں ہو گا، جب قرآن کریم تمہاری زبان سے نکلے گا، جب قرآن کریم تمہاری قلموں سے نکلے گا اُس وقت قرآن کریم تمہارے لئے بھی اور باقی دنیا کے لئے بھی ہدایت کا موجب ہو گا۔ تمہاری روحانیت کی درستی اور باقی دنیا کی روحانیت کی درستی قرآن کریم کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ مَیں اوپر بیان کر آیا ہوں کہ یا تو اللہ تعالیٰ نذیر ہے یا قرآن کریم نذیر ہے تم نذیر نہیں ہو۔ تم ان دونوں کے واسطہ سے نذیر بنتے ہو۔ خدا تعالیٰ تمام دنیا کے لئے نذیر اِس طرح ہے کہ اس کا روئے سخن سب کی طرف ہے۔ غریبوں، امیروں میں اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ زبانوں اور ملکوں کا اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں۔ وہ سب کا خدا ہے اور سب کی ہدایت کے

سامان اس نے پیدا کئے ہیں۔ اور دوسری ضمیر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے قرآن کریم کی طرف ہے کہ تم جب بھی بولو تو تمہاری زبانوں سے قرآن کریم جاری ہو اور تم جب لکھو تو تمہاری قلموں سے قرآن کریم جاری ہو اور تمہارے خیالات اور تمہارے جذبات اور تمہاری خواہشات سب قرآن کریم کے ماتحت ہوں۔ جب تک تمہاری زبانوں سے قرآن کریم نہیں بولے گا اور تمہاری قلموں سے قرآن کریم نہیں نکلے گا اُس وقت تک تم کامیاب نہیں ہو سکتے اور دنیا تمہارے ذریعہ ہدایت نہیں پا سکتی۔

تیسری ضمیر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف پھر سکتی ہے کہ بہت برکتوں والا وہ خدا ہے جس نے فرقان کے نازل کرنے کے لئے ایسے انسان کو چُنا جس کا ظاہر و باطن ایک ہے اور جو تمام دنیا کے لئے مثال اور نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اِس لئے چُنا تا کہ وہ دنیا کے لئے نذیر بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ تین وجود ہی نذیر ہو سکتے ہیں۔ جب تک تمہارا روئے سخن سب دنیا کی طرف نہ ہو اُس وقت تک تم نذیر نہیں بن سکتے۔ جب تک قرآن کریم تمہاری زبانوں سے جاری نہ ہو اُس وقت تک تم نذیر نہیں بن سکتے۔ جب تک کہ قرآن کریم تمہاری قلموں سے جاری نہ ہو اُس وقت تک تم نذیر نہیں بن سکتے۔ اور اِس تیسری ضمیر کے معنی یہ ہیں تا کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ساری دنیا کے لئے نذیر بن جائیں۔ جب تک ہر شخص تم میں سے چھوٹا محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نہیں بن جاتا تم نذیر نہیں ہو سکتے۔ جب تک تم اس مقام پر کھڑے نہیں ہوتے کہ جب تم کو کوئی دیکھے تو وہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تصویر کو دیکھ لے اُس وقت تک تم نذیر نہیں بن سکتے۔ تصویر کو دیکھ کر انسان اُس کے معائب<u>11</u> اور محاسن معلوم کر سکتا ہے۔ اُس کی آنکھیں چھوٹی ہیں یا بڑی، اُس کا سر چھوٹا ہے یا بڑا۔ اگر کوئی شخص تصویر کو دیکھ کر یہ کہے کہ اُس کا سر چھوٹا ہے تو اُس وقت تم یہ نہیں کہو گے کہ تم یہ اعتراض کیوں کرتے ہو۔ یہ تو تصویر ہے اصل نہیں۔ اگر تم یہ جواب دو گے تو ہر شخص تمہیں پاگل سمجھے گا کیونکہ تصویر اصل انسان کا انعکاس ہوتا ہے۔ اِس لئے اگر تم صحیح طور پر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تصویر نہیں بنتے تو باقی دنیا کو تم اعتراض کرنے کا موقع دیتے ہو۔ پس جب تک تم چھوٹے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نہیں بن جاتے اُس وقت تک تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور جب تم اپنی زندگیاں رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جیسی بنا لو گے تو تم

تمام دنیا کے لئے نذیر بن جاؤ گے۔ اُس وقت یہ سوال نہیں رہے گا کہ تم فلاسفر ہو یا اَن پڑھ ہو، لائق ہو یا نالائق ہو۔ تم تمام دنیا پر غالب آ جاؤ گے اور دنیا تمہارے مقابلہ سے عاجز آ جائے گی۔

میری مثال دیکھ لو مَیں پرائمری میں بھی فیل ہوا اور مڈل میں بھی فیل ہوا لیکن چونکہ گھر کا مدرسہ تھا اِس لئے اگلی جماعت میں بٹھا دیا گیا لیکن انٹرنس (Entrance) میں جاکر سوائے تاریخ اور جغرافیہ کے سب مضمونوں میں فیل ہو گیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے دین کی خدمت کے لئے چُنا تو اپنے پاس سے مجھے تمام علوم سکھائے۔ مَیں کوئی دنیوی علم بھی نہیں جانتا یا کم سے کم مَیں نے دنیوی علوم دنیوی اُستادوں سے پڑھے نہیں لیکن یورپ امریکہ اور دوسرے ممالک کے بڑے بڑے فلاسفر اور کالجوں کے پروفیسر مجھے ملنے کے لئے آتے ہیں اور مختلف سوالات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر مجھے غلبہ عطا کرتا ہے اور ہر شخص یہ کہہ کر جاتا ہے کہ ابھی مَیں نے پوری طرح سوچا نہیں تھا۔ پھر ان باتوں پر غور کروں گا۔ مَیں نے کوئی فلسفے کی کتاب نہیں پڑھی، مَیں نے کوئی علم النفس کی کتاب نہیں پڑھی لیکن ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ مجھے دوسروں پر غلبہ عطا کرتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے اپنا دماغ اللہ تعالیٰ اور قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا ہے۔ مَیں کسی بات کے متعلق ضد نہیں کرتا۔ ہمیشہ میرا مقصود یہی ہوتا ہے کہ سچائی کیا ہے؟ اِس لئے اللہ تعالیٰ میری مدد کرتا ہے۔ پس اگر تم بھی اپنے دماغ اللہ تعالیٰ اور قرآن کریم کے سپرد کر دو گے اور اِس ارادے اور اِس نیت سے قربانی کرو گے تو ہر مضمون کی سمجھ تمہیں عطا کی جائے گی۔ پھر سقراط، بقراط اور افلاطون جو بھی تمہارے مقابلہ میں آئے گا وہ شکست کھائے گا اور تم ہی جیتو گے۔ چونکہ مَیں نے اپنا دماغ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے اِس لئے اللہ تعالیٰ میرا اُستاد بن گیا ہے اور میرا علم قرآن کریم پر مبنی ہے۔ اِس لئے آج میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر تم میں بھی یہی روح کام کرنے لگ جائے تو پھر تمہیں کوئی چیز ڈرا نہیں سکے گی بلکہ بڑے بڑے فلاسفر تم سے ڈریں گے۔

مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ پچھلے دنوں جب لاہور میں مَیں شیخ بشیر احمد کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو ایک طالب علم لڑکی جو کہ ایم اے فلاسفی میں پڑھتی تھی بعض سوالات پوچھنے کے لئے آئی۔ اُس کے ساتھ ایک اَور غیر مسلم عورت بھی تھی۔ گفتگو شروع ہوئی اُس نے فلسفیانہ رنگ میں

بعض باتیں کیں۔ مَیں نے اُن پر جرح کی تو وہ جواب نہ دے سکی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے کہنے لگی کہ کیا آپ ایم۔ اے ہیں؟ مَیں نے کہا مَیں پرائمری فیل ہوں۔ پھر اس نے پوچھا کیا آپ نے سیلف سٹڈی (Self Study) کی ہے؟ مَیں نے کہا کہ مَیں تو پرائمری فیل ہوں سیلف سٹڈی کیا کر سکتا ہوں۔ پھر گفتگو شروع ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد پھر وہ کہنے لگی کیا آپ ولایت سے پڑھ کر آئے ہیں؟ مَیں نے کہا مَیں تو پرائمری فیل ہوں میرے ولایت جا کر پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگی کہ آپ وکیل ہیں؟ مَیں نے کہا وکیل تو میرے دوست ہیں جن کے گھر میں مَیں ٹھہرا ہوا ہوں۔ پھر وہ پریشان ہو کر کہنے لگی کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ پرائمری فیل ہیں۔ وہ طالب علم پروفیسر قاضی اسلم صاحب کی شاگرد تھی اُس سے ملنے کے بعد مَیں نماز مغرب کے لئے باہر گیا۔ قاضی صاحب مجھے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مَیں نے اُن سے مذاق کے طور پر کہا آپ کی ایک شاگرد مجھے ملنے آئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پڑھائی اچھی نہیں کراتے۔ وہ طالب علم جو مجھے ملنے آئی تھی اُس نے گفتگو کے شروع میں مجھ سے پوچھا کیا آپ ایم۔ اے ہیں؟ مَیں نے کہا نہیں مَیں تو پرائمری فیل ہوں۔ کچھ دیر بعد پھر اُس نے پوچھا کہ کیا آپ ولایت سے پڑھ کر آئے ہیں؟ مَیں نے اُسے کہا مَیں پہلے بتا چکا ہوں کہ مَیں پرائمری فیل ہوں۔ کچھ دیر کے بعد پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ وکیل ہیں؟ کیا آپ اپنے شاگردوں کو یہی کچھ پڑھایا کرتے ہیں کہ وہ بات کرنے والے کی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ قاضی صاحب نے مجھ سے اُس کا نام پوچھا تو مَیں نے انہیں نام بتایا۔ اُس کا نام سن کر کہنے لگے کہ وہ تو میری چوٹی کی طالب علم ہے۔ **تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ خواہ کوئی سیاست کا ماہر یا فلسفے کا عالم یا علم النفس کا جاننے والا میرے ساتھ گفتگو کرے، ہمیشہ ہی اللہ تعالیٰ میری مدد کرتا ہے اور کوئی سوال میرے لئے ایسا نہیں ہوتا جس کا مَیں جواب نہ دے سکوں۔**

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جب تمام دنیا کا نذیر بنا کر بھیجا تو آپؐ کو سب سے زیادہ علم دیا حالانکہ آپ اُمّی تھے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے لیکن مبعوث کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب قسم کے علوم عطا کئے اور ایک ایسی تعلیم آپ کو عطا کی جو حق و باطل

میں امتیاز قائم کرنے والی ہے۔ پس کوشش کرو کہ تم بھی رسول کریم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے والے بن جاؤ اور کسی کے علم سے مرعوب مت ہو۔ ہر بات جو قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے وہ جھوٹی ہے۔ تم اس کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کرو۔

یہ تین چیزیں قرآن کریم نے بیان کی ہیں اِن کو مدنظر رکھے بغیر تم کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نَذِیْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا اِنذار ہر قوم کی طرف ہو اور ہر ہندو، سکھ، بدھ اور زرتشتی تمہارا مخاطب ہو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو جو رستہ بھول چکے ہیں اللہ تعالیٰ کے گھر میں لے آؤ۔ اگر ایک ماں کے تین بچے گُم ہوجائیں اور ان میں سے دو کو تم واپس لے آؤ اور تیسرے کو دھتکار دو۔ تو اُن دو کے لانے پر وہ تمہیں انعام نہیں دے گی اور تم پر خوش نہیں ہوگی بلکہ وہ کہے گی کہ وہ تیسرا ابھی مجھے اِسی طرح پیارا ہے جس طرح یہ دونوں پیارے ہیں۔ اِسی طرح اگر تم دنیا کی دو ارب آبادی میں سے ایک ارب ننانوے کروڑ ننانوے لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے کو واپس لے آتے ہو لیکن ایک آدمی کو چھوڑ دیتے ہو اور اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے تو خدا تعالیٰ تمہیں اس ایک کے چھوڑنے پر یہ کہے گا کہ وہ بھی میرا بندہ تھا۔ تم نے اسے واپس لانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن کریم تمہارے دلوں پر اور تمہارے دماغوں پر حاوی ہو۔ چونکہ قرآن کریم کے لئے فتح مقدر ہے اِس لئے جب تم اپنے وجود کو قرآن کریم کے ساتھ وابستہ کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بھی فتح عطا کرے گا۔ تیسری چیز یہ ہے کہ جب تک تم رسول کریم ﷺ کی نقل نہیں کرتے اور آپؐ کے نقشِ قدم پر نہیں چلتے اور جب تک تم چھوٹے محمد (ﷺ) نہیں بنتے اُس وقت تک تمہاری تبلیغ میں اثر پیدا نہیں ہوسکتا۔" (الفضل 28 اکتوبر 1946ء)

1: الفرقان: 2

2: چُست: موزوں، ٹھیک، درست

3: متی باب 5 آیت 39 تا 41

4: متی باب 10 آیت 34

5: لوقا باب 22 آیت 36

6: **اہنسا:** مہاتما گاندھی کی عدم تشدد کی فلاسفی، تشدد کے مقابلہ میں عدم تشدد، ظلم کو برداشت کرنا اور قدرت کے باوجود جواب نہ دینا (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد نمبر 1 صفحہ 1092 مطبوعہ 1977 کراچی)

7: **I.N.A:** اِنڈین نیشنل آرمی

8: **مرن برت:** فاقہ جسے کرتے کرتے انسان مر جائے۔

9: **مُتَعَذَّر:** محال۔ مشکل۔ دشوار

10: **پاجی:** کمینہ۔ رذیل۔ ذلیل

11: **معائب:** معیب کی جمع۔ عیوب۔ نقائص۔ خرابیاں۔ کھوٹ۔ برائیاں